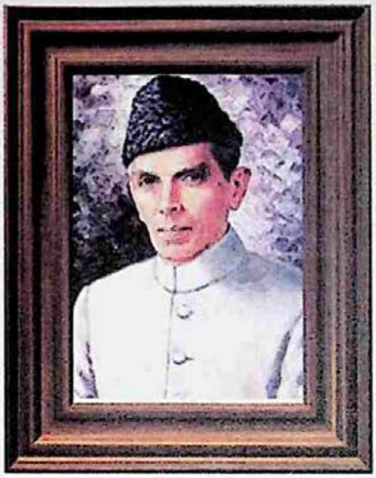

"تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔"

قائداعظم محمد علی جناحؒ، بانیِ پاکستان
(26 ستمبر 1947ء۔ کراچی)

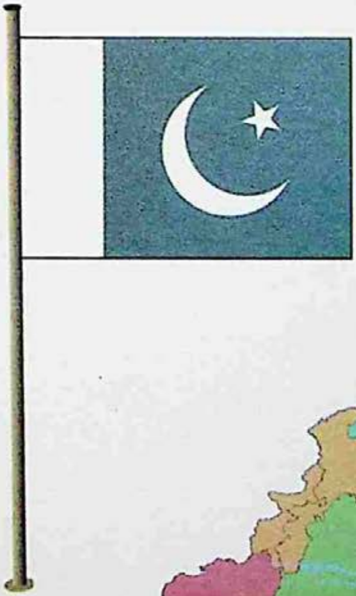

# قومی ترانہ

پاک سَرزمین شاد باد　　کِشورِ حَسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سَرزمین کا نِظام　　قُوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت　　پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پَرچمِ ستارہ و ہِلال　　رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال　　جانِ اِستِقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

4826

جعلی کُتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کی درسی کُتب کے سرِوَرق پر مستطیل شکل میں ایک "حفاظتی نشان" چسپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود مونوگرام کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مونوگرام کے نیچے موجود سفید جگہ کو سِکّے سے کُھرچنے پر "PCTB" لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے "حفاظتی نشان" پر دیے گئے کوڈ کو "8070" پر ".PCTB(Space)Code No" لکھ کر SMS کریں اور انعامی سکیم میں شامل ہوں۔ اگر SMS کے جواب میں "حفاظتی نشان" پر درج سیریل نمبر موصول ہو تو کتاب اصلی ہے۔ درسی کُتب خریدتے وقت یہ "حفاظتی نشان" ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر یہ نشان موجود نہ ہو یا اس میں ردّ و بدل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں۔

# مُرقّعِ ادب

(اُردو اختیاری)

## گیارھویں جماعت کے لیے

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔
منظور کردہ قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومتِ پاکستان، اسلام آباد۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپر، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مؤلفین ☆ پروفیسر زریں حبیب مرزا
☆ مسز سعیدہ خالد
☆ پروفیسر فقیر احمد فیصل

مدیر ☆ پروفیسر حفیظ صدیقی

نگران
☆ ملک جمیل الرحمٰن (سینئر ماہرِ مضمون اُردو)

آرٹسٹ ☆ عائشہ وحید

ناشر: عطیہ پبلشنگ ہاؤس لاہور
مطبع: الرحیم آرٹ پریس، لاہور

| تاریخ اشاعت | ایڈیشن | طباعت | تعداد اشاعت | قیمت |
|---|---|---|---|---|
| مئی 2018ء | اول | نہم | 6,000 | 61.00 |

# فہرست

## حصہ نثر


| نمبر شمار | سبق | مصنف | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| 1 | اردو نثر پر ایک نظر | ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (اخذ و اضافہ) | 1 |
| 2 | قصہ خواجہ سگ پرست کا | میر امن دہلوی | 6 |
| 3 | فسانہ سلطان یمن | رجب علی بیگ سرور | 11 |
| 4 | امراؤ جان ادا | مرزا ہادی رُسوا | 16 |
| 5 | خدا کی بستی | شوکت صدیقی | 21 |
| 6 | آنگن | خدیجہ مستور | 26 |
| 7 | زیور کا ڈبا | منشی پریم چند | 31 |
| 8 | کتبہ | غلام عباس | 41 |
| 9 | قلعہ لاہور کا ایک ایوان | سید امتیاز علی تاج | 50 |
| 10 | فاصلے | میرزا ادیبؔ | 56 |
| 11 | رسم و رواج | سر سید احمد خاں | 66 |
| 12 | شاعری کے لیے کیا شرطیں ضروری ہیں | مولانا الطاف حسین حالی | 71 |
| 13 | مسلمانوں کا قدیم طرزِ تعلیم | شبلی نعمانی | 76 |
| 14 | میبل اور میں | پطرس بخاری | 82 |
| 15 | منشیات کی لعنت | نصیر احمد بھٹی | 87 |

# حصہ شاعری


| نمبر شمار | نظم | شاعر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| 1 | اردو شاعری پر ایک نظر | ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (اخذ و اضافہ) | 92 |
| 2 | حمد | مولانا ظفر علی خاں | 97 |
| 3 | نعت | امیر مینائی | 101 |
| 4 | شوقِ شہادت | میر انیس | 105 |
| 5 | برسات کی بہاریں | نظیر اکبر آبادی | 109 |
| 6 | عقل و دل | علامہ محمد اقبالؒ | 113 |
| 7 | جاوید کے نام | علامہ محمد اقبالؒ | 113 |
| 8 | شاہین | علامہ محمد اقبالؒ | 114 |
| 9 | پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ | علامہ محمد اقبالؒ | 114 |
| 10 | جوگی | خوشی محمد ناظر | 116 |
| 11 | مناظرِ سحر | جوش ملیح آبادی | 120 |
| 12 | درۂ خیبر | حفیظ جالندھری | 123 |
| 13 | زندگی سے ڈرتے ہو؟ | ن۔م۔راشد | 126 |
| 14 | اقبالؒ | فیض احمد فیض | 130 |
| 15 | طلوعِ فرض | مجید امجد | 133 |
| 16 | قطعات | اکبر الہ آبادی، احسان دانش | 137 |
| 17 | رباعیات | مولانا الطاف حسین حالی | 141 |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اُردو نثر پر ایک نظر

''اُردو'' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''لشکر'' کے ہیں۔ مغلوں کے دور میں لشکر اور اس سے متعلقہ آبادی کو ''اُردو'' کہا جاتا تھا۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ اردو ایک لشکری زبان ہے جو مسلمان بادشاہوں کے لشکروں یا لشکری بازار میں پیدا ہوئی۔ یہ درست نہیں۔ اس سے پہلے اردو کو مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا۔ برِصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے آنے کے بعد مسلمانوں اور یہاں کے باشندوں کی زبانوں کے میل جول سے جو نئی زبان آہستہ آہستہ پیدا ہوئی اسے ''ہندوی'' کے نام سے پکارا گیا۔ اس کے بعد اسے ''ہندی'' کے نام سے پکارا گیا۔ اردو کا ایک قدیم نام ''ریختہ'' بھی ہے۔ میر تقی میر نے اس زبان کو پہلی دفعہ '' اردوئے معلّٰی'' قرار دیا اور مصحفی نے اِسے ''اردو'' کہا۔ چناں چہ انیسویں صدی سے یہی نام رائج ہے۔

اردو زبان کے آغاز کے بارے میں کئی نظریے پیش کیے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ان تمام نظریات میں ایک بات البتہ مشترک ہے کہ ان میں اردو کی ابتدا کی بنیاد برِصغیر پاک و ہند میں مسلمان فاتحین کی آمد پر رکھی گئی ہے اور بنیادی استدلال یہ ہے کہ اردو زبان کا آغاز مسلمان فاتحین کی ہندوستان میں آمد اور مقامی لوگوں سے میل جول اور مقامی زبانوں پر اثرات سے ہوا اور ایک نئی زبان وجود میں آئی جو بعد میں اردو کہلائی۔

اردو نثر کا پہلا باقاعدہ دور دکن کا ہے جہاں صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے اسے عوام کی زبان کی حیثیت سے تبلیغ اور تعلیم دین کے لیے استعمال کیا۔ اس دور کے مشہور عالم خواجہ بندہ نواز گیسودراز (وفات ۱۴۲۱ء) کی تصنیف ''معراج العاشقین'' کو اردو کی پہلی نثری تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ادبی اعتبار سے دکنی دور کی سب سے مشہور تصنیف ملّا وجہی کی ''سب رس'' ہے جس کا سنِ تصنیف ۳۹-۱۶۳۸ء ہے۔ اردو کا یہ پہلا نثری قصّہ ہے جس کا ایک منفرد اسلوب ہے۔

شمالی ہند میں اردو نثر نگاری کا آغاز نسبتاً بعد میں ہوا۔ دراصل یہاں پر مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ایک عرصے تک فارسی تہذیبی، سرکاری اور عدالتی زبان رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھارھویں صدی تک شمالی ہندوستان میں اردو کی نثر نگاری کا جو اسلوب ملتا ہے، وہ انتہائی پرتکلف ہے اور اس میں فارسی تراکیب کی کثرت ہے۔ چنانچہ عطا حسین تحسین کی ''نوطرزِ مرصّع'' (۱۷۹۸ء میں لکھی گئی) کی عبارت بھی فارسی آمیز ہے۔ شمالی ہند میں اردو نثر نگاری کا باقاعدہ آغاز کلکتہ ۱۸۰۰ء میں ''فورٹ ولیم کالج'' کے قیام سے ہوا۔ اس ادارے کا مقصد یہ تھا کہ جو انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو کر آئیں تو انھیں اِس ملک کی زبان، تاریخ، تہذیب، معاشرے اور رسم و رواج سے واقف کرانے کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ اس مقصد کے لیے ملک کے گوشے گوشے سے مصنفین جمع کیے گئے جن میں سب سے ممتاز میر امن دہلوی تھے۔ بعض ایسے انگریز بھی استاد مقرر ہوئے جو ہندوستانی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ ان میں سب سے مشہور نام جان گل کرسٹ کا ہے جو شعبۂ اردو کے سربراہ تھے۔

جان گل کرسٹ کی فرمائش پر فورٹ ولیم کالج کے مصنفین نے اردو میں مختلف کتابیں لکھیں جن میں سب سے ممتاز میر امن دہلوی کی ''باغ و بہار'' ہے۔ اس کتاب کا سنِ تصنیف ۱۸۰۲ء ہے۔ میر امن نے اس قصّے میں دلی کی بامحاورہ اور روزمرّہ بول چال کی سادہ زبان میں اس عہد کی تہذیب و معاشرت کا نقشہ کھینچا ہے۔ ان کے علاوہ حیدر بخش حیدری کی '' آرائشِ محفل'' نے بھی بہت مقبولیت حاصل کی۔ میر امن کے سادہ اسلوبِ نگارش کے مقابلے میں لکھنؤ کے مرزا رجب علی بیگ سرور نے ۲۵-۱۸۲۴ء میں فارسی آمیز پرتکلف عبارت میں ''فسانۂ عجائب'' لکھا، جو اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے باعث اہم ہے۔

۱۸۴۰ء کے آس پاس مرزا غالب جو اپنے عہد کے فارسی اور اردو کے بڑے شاعروں اور نثر نگاروں میں شمار ہوتے تھے، اردو خطوط نویسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے اردو میں خط لکھنے کا ایک بے تکلف انداز اختیار کیا اور بقول خود مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔ ''عودِ ہندی''، ''اردوئے معلّٰی'' اور ''مکاتیبِ غالب'' کے نام سے ان کے خطوط کے مجموعے شایع ہو چکے ہیں جو اپنی سادہ اور رواں زبان، انوکھے اور دلچسپ انداز کے باعث آج بھی دل چسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں غالب کی زندگی اور اس زمانے کے بہت سے حالات و واقعات کو جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ غالب کے ان خطوط سے اردو نثر میں ایک نئے اسلوب کا اضافہ ہوا۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب برِ صغیر پاک و ہند کی تاریخ میں صرف ایک سیاسی انقلاب نہ تھا بلکہ ایک تہذیبی انقلاب تھا۔ اس سے برِ صغیر میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور اقتدار کے ساتھ اس تہذیب و تمدن کی برتری بھی ختم ہو گئی جسے مسلمانوں نے صدیوں کی کوششوں سے پروان چڑھایا تھا۔ اِس انقلاب کے نتیجے میں مسلمان دوہرے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ ایک طرف وہ انگریز حکمرانوں کے غیظ و غضب کا شکار تھے اور دوسری طرف ہندوؤں کے، جنھوں نے انگریزوں کی سرپرستی میں مسلمانوں کا معاشی استحصال شروع کر دیا۔ ان حالات میں برِ صغیر پاک و ہند میں وہ تحریک شروع ہوئی جسے تحریکِ سرسید یا علی گڑھ تحریک کہا جاتا ہے۔ یہ تحریک بنیادی طور پر تعلیمی و اصلاحی تحریک تھی۔ سرسید نے اپنے خیالات کے فروغ اور ابلاغ کے لیے سلیس اور سادہ اردو نثر کا استعمال کیا۔ انھوں نے ایک ادبی رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے جاری کیا جس میں سرسید نے سب سے پہلے انشائیے اور مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ سرسید کے دوسرے رفقا نے اس عمل میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ سرسید احمد خان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو ایسے مخلص رفقائے کار ملے جنھوں نے ان کی ادبی تحریک کے استحکام اور فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا نذیر احمد اس حلقے کے ممتاز اراکین ہیں۔

سرسید کے رفقائے کار میں سے مولانا شبلی نعمانی نے اسلامی تاریخ کو ایک نئے رنگ سے لکھنا شروع کیا۔ ان کی کتابوں میں ''الفاروق''، ''المامون'' اور ''سیرت النبیؐ'' خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ نذیر احمد نے اردو ناول نگاری کا آغاز کر کے اردو ادب میں ناول کی صنف کو متعارف کرایا۔ ''مراۃ العروس''، ''بنات النعش''، ''توبۃ النصوح'' اور ''ابن الوقت'' ان کے مشہور ناول ہیں۔ ان کے ناول مقصدی ہیں اور ان کے پیش نظر اس عہد کا مسلم معاشرہ اور اس کی اصلاح ہے۔ مولانا حالی نے اپنے شعری نظریات اور خیالات کو ''مقدمۂ شعر و شاعری'' کے نام سے قلم بند کیا جسے اردو میں تنقید کی اوّلین کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے ''حیاتِ جاوید''، ''حیاتِ سعدی'' اور ''یادگارِ غالب'' لکھ کر اردو میں سوانح عمریاں لکھنے کا آغاز بھی کیا۔ اِسی طرح مولانا محمد حسین آزاد نے جو بیک وقت انشا پرداز، مورخ، نقاد، شاعر اور ماہر لسانیات تھے ''آبِ حیات''، ''سخن دانِ فارس'' اور ''نیرنگِ خیال'' وغیرہ لکھیں جو اردو نثر میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

اردو ناول نگاری میں نذیر احمد کے ہم عصر ناول نگار پنڈت رتن ناتھ سرشار ہیں جن کا سب سے مشہور ناول ''فسانۂ آزاد'' ہے۔ اگرچہ اس ناول میں کوئی منظم پلاٹ نہیں لیکن اس میں اس عہد کی لکھنوی تہذیب اور معاشرے کی پوری تصویر موجود ہے۔ سرشار کے ہم عصر عبدالحلیم شرر کو اردو میں تاریخی ناول کا پہلا علم بردار کہا جاتا ہے۔ ''منصور موہنا''، ''ملک العزیز ورجینا'' اور ''فردوس بریں'' ان کے مشہور تاریخی ناول ہیں۔ اس کے بعد اردو ناول نگاری میں مرزا رسوا کا ناول ''امراؤ جان ادا'' بڑی اہمیت اور شہرت کا حامل ہے جو اپنی بہت سی فنی خوبیوں کے باعث اردو کے عظیم ترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں اس عہد کی لکھنوی سوسائٹی کی زندگی کی بھرپور مصوری کی گئی ہے۔ تقریباً اسی زمانے میں علامہ راشد الخیری نے جنھیں ''مصورِ غم'' کہا جاتا ہے اپنے ناولوں میں اس روایت کو آگے بڑھایا جس کا آغاز مولوی نذیر احمد نے ''مراۃ العروس'' اور ''بنات النعش'' لکھ کر کیا تھا۔ انھوں نے عورتوں کی مظلومیت کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

اردو ناول کا دورِ جدید بیسویں صدی کے آغاز میں پریم چند سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے ناولوں میں ''میدانِ عمل''، ''گئودان'' اور ''بازارِ حسن'' وغیرہ مشہور ہیں۔ انھوں نے برصغیر کے دیہات اور متوسط و محنت کش طبقوں کی زندگی کو بڑی خوش اسلوبی سے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔

پریم چند کے زیرِ اثر اور ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کے آغاز پر بہت سے اچھے ناول لکھے گئے جن میں سجاد ظہیر کا ''لندن کی ایک رات'' کرشن چندر کی ''شکست'' اور عصمت چغتائی کی ''ٹیڑھی لکیر'' قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے عہد کا دور ناول کی مقبولیت کا دور ہے۔ رئیس احمد جعفری، رشید اختر ندوی، ایم اسلم، نسیم حجازی اور قیسی رام پوری کے ناول بہت مشہور ہوئے۔ قرۃ العین حیدر کا ''آگ کا دریا''، عزیز احمد کا ''ایسی بلندی ایسی پستی''، شوکت صدیقی کا ''خدا کی بستی'' اور ممتاز مفتی کا ''علی پور کا ایلی'' فنی لحاظ سے اہم ناول ہیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ حسین کا ''اُداس نسلیں''، جمیلہ ہاشمی کا ''تلاشِ بہاراں''، خدیجہ مستور کا ''آنگن''، فضل احمد کریم فضلی کا ''خونِ جگر ہونے تک''، انتظار حسین کا ''بستی'' اور بانو قدسیہ کا ''راجہ گدھ'' اہم ناول ہیں۔

افسانے کی صنف بھی ناول کی طرح اردو نثر میں انگریزی ادب سے آئی۔ اردو میں مختصر افسانے کا آغاز بیسویں صدی میں پریم چند کے افسانوں سے ہوا۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں دیہات میں رہنے والے لوگوں کے مسائل پر قلم اٹھایا اور اردو افسانے کو حقیقت نگاری کے فن سے آشنا کرایا۔ اسی دور میں سجاد حیدر یلدرم نے اپنے افسانوں کے ذریعے رومانوی افسانہ نگاری کی بنیاد رکھی۔ سجاد حیدر یلدرم کی پیروی کرنے والوں میں نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری اور حجاب امتیاز علی اہم ہیں جنھیں رومانوی افسانہ نگار کہا جاتا ہے۔
راشد الخیری اور علی عباس حسینی اہم ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک نے اردو افسانے کو بھی متاثر کیا۔ پریم چند کے افسانے ''کفن'' میں اس تحریک کے واضح اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اردو افسانے میں ترقی پسند رجحانات کی ابتدا ۱۹۳۶ء میں ''انگارے'' کے نام سے چھپنے والے افسانوں کے مجموعے سے ہوئی جس میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، رشید جہاں اور احمد علی وغیرہ کے افسانے تھے۔ اِس تحریک کے زیرِ اثر افسانہ نگاروں کی ایک بڑی کھیپ نظر آتی ہے جن میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، اوپندر ناتھ اشک، عصمت چغتائی، حیات اللہ انصاری اور سعادت حسن منٹو کے نام اہم ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک افسانے کے فن کو فروغ دینے والوں میں علی عباس حسینی، کوثر چاند پوری، اعظم کریوی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، منٹو، عصمت چغتائی، ممتاز مفتی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، بلونت سنگھ، غلام عباس، انتظار حسین، شوکت صدیقی، محمد حسن عسکری، احمد ندیم قاسمی اور خواجہ احمد عباس کے نام اہم ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد افسانوی ادب میں اہم اضافے کرنے والوں میں غلام عباس، قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، اے حمید، الطاف فاطمہ، غلام الثقلین نقوی، انتظار حسین اور انور سجاد کے نام اہم ہیں۔ خالدہ اصغر، محمد منشایاد، یونس جاوید، مسعود اشعر اور بہت سے دوسرے افسانہ نگار اپنے افسانوں میں بدلتی ہوئی زندگی کے مسائل کی کامیاب ترجمانی کر رہے ہیں۔

اردو زبان و ادب میں ڈرامے کی صنف بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ اردو میں ڈرامے کی ابتدا واجد علی شاہ اختر کے عہد (۱۸۵۶ء۔۱۸۴۷ء) میں لکھنؤ میں ہوئی اور امانت لکھنوی نے سب سے پہلا ڈراما ''اندر سبھا'' لکھا۔ اس ڈرامے میں راجہ اندر کے دربار اور عیش و عشرت کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد اردو ڈراما تھیٹر سے وابستہ رہا لیکن بیسویں صدی میں آغا حشر اردو ڈراما میں ایک نامور شخصیت کے طور پر ابھرے۔ انھوں نے نہ صرف شیکسپیئر کے بعض ڈراموں کو اردو میں منتقل کیا بلکہ بہت سے طبع زاد ڈرامے بھی لکھے۔ حشر نے اپنے ان ہر دو قسم کے ڈراموں میں عوام کی پسند کو پیشِ نظر رکھا۔ وہ ڈرامے میں کوئی ایسی کشمکش یا پیچیدگی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ہر قسم کے مزاج کے لوگ ان کے ڈراموں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ آغا حشر کے بعد احمد شجاع پاشا کا ڈراما ''باپ کا گناہ'' ادبی لحاظ سے اہم ہے لیکن جو شہرت امتیاز علی تاج کے ڈرامے ''انارکلی'' کو ملی وہ کسی اور ڈرامے کو نصیب نہ ہوئی۔ اس دوران میں سینما کی آمد سے سٹیج ڈرامے کے زوال کا آغاز ہوا لیکن ریڈیو کے قیام سے ریڈیائی ڈرامے لکھنے کا رواج ہوا تو عشرت رحمانی، حجاب امتیاز علی، عابد علی عابد، انور جلال، باقی صدیقی، میرزا ادیب، اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے ڈرامے بہت مشہور ہوئے۔ ٹیلی ویژن کے متعارف ہونے پر ڈراما نگاروں کی ایک بہت بڑی اور ذہین کھیپ سامنے آئی جن میں سلیم چشتی، اطہر شاہ خاں، یونس جاوید، امجد اسلام امجد، منو بھائی، جمیل ملک اور ریاض بٹالوی کے نام اہم ہیں۔ خواتین ڈراما نگاروں میں حسینہ معین اور فاطمہ ثریا بجیا کے نام سرِ فہرست ہیں۔

اردو نثر میں علمی و ادبی موضوعات پر لکھنے والوں میں مولانا حالی کے جانشین مولوی عبدالحق ہیں جنھیں ''بابائے اردو'' کے لقب سے یاد کیا

جاتا ہے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر لکھ کر اردو کے نثری سرمائے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ شبلی نعمانی سے فیض پانے والوں میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام قابلِ ذکر ہے جو اردو نثر میں ایک منفرد اسلوب نگارش کے موجد ہیں۔

ایک اور جدید صنف جسے اردو نثر میں بڑا فروغ نصیب ہوا طنز و مزاح ہے۔ یوں تو طنز و مزاح کی مثالیں ''اودھ پنچ'' کے دور میں بھی ملتی ہیں جو ایک انگریزی اخبار کے نمونے پر جاری کیا گیا تھا لیکن اس کے مذاق اور طنز کی سطح زیادہ بلند نہیں ہے۔ انیسویں صدی میں سب سے زبردست ادبی شخصیت غالب کی ہے جو بہت بڑے ظریف بھی تھے اور اسی بنا پر حالی نے انھیں ''حیوانِ ظریف'' کہا ہے۔ غالب کے خطوط میں ظرافت کی صاف ستھری اور بہت اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں۔ غالب کے بعد مزاح نگاری میں فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی اور پطرس بخاری کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد عظیم بیگ چغتائی، ملا رموزی، شوکت تھانوی، ابن انشا اور موجودہ دور کے مشتاق احمد یوسفی، کرنل محمد خاں، شفیق الرحمان اور عطاء الحق قاسمی کے نام قابل ذکر ہیں۔

حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' اور شبلی نے ''موازنہ انیس و دبیر'' اور ''شعر العجم'' لکھ کر اردو نثر میں تنقیدی ادب کا باقاعدہ آغاز کیا تھا اس روایت کو آگے بڑھانے میں امداد امام اثر، عبدالرحمٰن بجنوری، نیاز فتح پوری، حافظ محمود شیرانی، نورالحسن ہاشمی، حامد حسن قادری، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کلیم الدین احمد، احتشام حسین، آل احمد سرور، سید وقار عظیم، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اور ڈاکٹر سہیل احمد خاں کے نام قابلِ ذکر ہیں اور یوں اردو نثر ہر صنفِ ادب میں ترقی کی منزلوں کی جانب گامزن ہے۔

# داستان

کہانی سننا اور کہنا انسان کو ہمیشہ سے مرغوب رہا ہے۔ جب انسان روزمرہ زندگی کے معمولات اور تھکا دینے والی مصروفیات کی یکسانیت سے اُکتا جاتا تو وہ تفریح کی تمنا کرنے لگتا۔ اِس ضرورت نے داستان گوئی کو جنم دیا۔ داستان گو طویل کہانیوں کو رات کے وقت محفل میں قسط وار سناتے، کہانی میں سے کہانی جنم لیتی اور ہر کہانی دوسری کہانی سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح پیوست بھی ہوتی اور اپنا علیحدہ مکمل وجود بھی رکھتی تھی۔ داستان گو اپنی قوتِ تخیل سے واقعات کو ترتیب دے کر داستانوں کی تخلیق کرتے، ان کو دلکش، دلچسپ اور زندگی سے برتر کرداروں اور طلسماتی اور پراسرار ماحول سے سجاتے اور اپنی چرب زبانی اور زبان دانی کی مہارت سے لوگوں کو سنا کر اپنا گرویدہ بناتے۔ چنانچہ عرب کے ساحر، ایران کے قصہ گو اور برِ صغیر کے داستان گو بہت مشہور اور مقبول تھے۔ بلکہ قصہ گوئی ایک الگ فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ بعد میں آنے والی تمام افسانوی اصناف مثلاً ناول، افسانہ، ڈراما وغیرہ کی بنیاد داستان پر ہی ہے۔

''داستان'' قدیم صنفِ ادب ہے جس کے لغوی معنی قصہ، حکایت یا کہانی کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں داستان کسی خیالی اور مثالی دنیا کی وہ کہانی ہے جو محبت، مہم جوئی اور سحر و طلسم جیسے غیر معمولی عناصر پر مشتمل اور مصنف کے آزاد اور زرخیز تخیل کی تخلیق ہو۔ داستانوں میں مافوق الفطرت اشیا، واقعات اور مقامات کی کثرت ہوتی ہے۔ جادو کی چیزوں، جن، بھوت اور پری جیسی مخلوق کا ذکر عام ہوتا ہے۔ داستانوں کا دور چونکہ بادشاہوں اور شہزادے شہزادیوں کا دور تھا اِس لیے ان میں مرکزی اہمیت انھی کی ہے۔ بیشتر کردار اور واقعات مثالی ہوتے ہیں جو بالآخر کسی مثالی نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں۔ گویا مافوق الفطرت عناصر، طلسماتی فضا، تخیل کی رنگ آمیزی، عشق و محبت کے واقعات، حق و باطل کا تصادم، اسرار و تحیّر، طوالت اور دلچسپ زبان و بیان ایک اچھی داستان کی اہم خوبیاں ہیں۔

اردو میں میر امن کی ''باغ و بہار''، حیدر بخش حیدری کی ''آرائشِ محفل''، رجب علی بیگ سُرور کی ''فسانۂ عجائب'' اور ان شاء اللہ خان انشا کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' معروف داستانیں ہیں۔